دہلی

از

محمود علی خاں (جامعی)

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی

مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

طبع دوم ۱۰۰۰ — سنہ ۱۹۴۰ء — قیمت ۴؍

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

نمبر شمار	تصویر	مقابل صفحہ
۱	دہلی کے آٹھ شہروں کا نقشہ	۱۰
۲	جامع مسجد	۱۵
۳	لال قلعہ (باہر سے)	۲۰
۴	لال قلعہ کا دیوان خاص	۲۹
۵	لال قلعہ کا نقشہ	۳۳
۶	قطب مینار	۳۴
۷	ہمایوں کا مقبرہ	۳۹
۸	اسمبلی چیمبر	۵۷

پہلا باب

دہلی کے آٹھ شہر

آج ہم بہت سی مزے دار باتیں تمھیں سناتے ہیں۔ ان سے تمھیں تاریخی قصے بھی معلوم ہوں گے اور گھر بیٹھے دہلی کی سیر بھی ہو جائے گی۔

تاریخ کسے کہتے ہیں؟ سنو ایک تو مہینے میں جو تیس دن ہوتے ہیں انھیں تاریخ کہتے ہیں، دوسرے ان باتوں کو بھی تاریخ کہتے ہیں کہ کسی ملک میں پہلے زمانے میں کون کون سے بڑے لوگ گذرے اور انھوں نے کیا کیا کام کئے۔ اس کتاب میں ہم تمھیں ایسی ہی تاریخی باتیں بتائیں گے اور دہلی کی سیر بھی کرائیں گے۔

ہمارے ملک ہندوستان کے بہت سے بادشاہ دہلی ہی میں رہا کرتے تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے رہنے کے لئے اچھے اچھے محل، قلعے، مندر اور

مسجدیں بنوائی تھیں۔ سینکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر عمارتیں آج بھی ویسی کی ویسی موجود ہیں اور دور دور سے لوگ انھیں دیکھنے آتے ہیں۔ تمھیں بھی اُن کے دیکھنے یا کم سے کم اُن کے حالات سُننے کا شوق ہوگا۔ اس لئے ہم نے طے کیا ہے کہ ان مشہور عمارتوں اور ان کے بنانے والوں کا حال لکھیں۔ یقین ہے کہ تم اسے بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھو گے۔

لیکن پہلے ہم کسی عمارت کے بارے میں کچھ نہ لکھیں گے بلکہ دہلی کے آٹھ شہروں کا حال لکھیں گے جن میں یہ سب عمارتیں واقع ہیں۔ تم کہو گے یہ آٹھ شہر کیسے؟ ہم نے تو ایک دہلی شہر کا نام سُنا ہے۔ تمھارا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ دہلی کا شہر بہت ہی پرانا ہے۔ کتنے ہی دفعہ اُجڑا پھر بسا۔ برباد ہوا پھر آباد ہوا۔ جس بادشاہ نے جس جگہ اپنا محل اور قلعہ وغیرہ بنایا وہیں ایک دہلی بس گئی۔ اس طرح بیسیوں شہر بسے اور اُجڑ گئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شہر آٹھ ہیں اور ان ہی کا تھوڑا تھوڑا حال ہم لکھتے ہیں۔

اندرپرست

یہ دہلی کا سب سے پرانا شہر ہے۔ اس کتاب میں ایک نقشہ بھی ہے اس میں دیکھو ہماری آج کل کی دہلی سے قطب مینار کو جو سڑک جاتی ہے قریب قریب اس کے آدھے راستے پر یہ شہر

آباد تھا۔ اب سے کوئی تین، ساڑھے تین ہزار برس پہلے ہندوؤں میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی تھی اسے "مہا بھارت" کہتے ہیں۔ یہ شہر اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اب یہاں کھنڈروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔

پُرانی دِلّی ٹھیک جہاں قطب مینار ہے، یہیں پُرانی دِلّی تھی۔ کہتے ہیں کہ کوئی راجہ دِلّو گذرے ہیں انھوں نے اسے آباد کیا تھا، اس کے بعد ہندوستان کے مشہور راجہ بکرما جیت نے اسے فتح کیا۔ پھر آٹھ سو برس تک دلی گمنامی میں پڑی رہی اور کسی کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔ اس کے بعد راجپوتوں نے اسے فتح کیا ان میں سب سے مشہور راجہ پرتھی راج گذرا ہے۔ رائے پتھورا بھی اسی کو کہتے ہیں۔ پرتھی راج سے مسلمانوں نے دلی فتح کی۔ شروع زمانے کے جتنے مسلمان بادشاہ گذرے ہیں سب یہیں رہتے تھے ان میں سب سے مشہور قطب الدین ایبک اور سلطان التمش ہوئے ہیں۔ سلطان التمش ہی نے قطب مینار بنوایا۔ یہاں پر اب ایک تھوڑی سی آبادی رہ گئی ہے اور شہر ویران ہو گیا۔

سیری قطب مینار سے ذرا اسی طرف سیری شہر ہے۔ اسے علاءالدین خلجی بادشاہ نے آباد کیا تھا لیکن اس بادشاہ کے بعد یہ شہر

بالکل برباد ہوگیا۔

تغلق آباد

اوکھلے کا نام تو شاید تم نے سُنا ہو۔ ہماری جامعہ کی نئی عمارتیں یہیں بن رہی ہیں اسی اوکھلے سے تھوڑا آگے بڑھ کر تغلق آباد شہر تھا۔ اسے غیاث الدین تغلق بادشاہ نے بسایا تھا یہ شہر بھی برباد ہوگیا لیکن اس کے کھنڈر موجود ہیں

فیروز آباد

یہ شہر قریب قریب اسی جگہ آباد تھا جہاں آج کل ہماری دہلی ہے۔ اسے فیروز تغلق بادشاہ نے آباد کیا تھا اور ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ لیکن اصل شہر تباہ ہو چکا ہے۔

دلی شیر شاہ

سب سے پرانے شہر اندرپرست اور ہماری آج کل کی دہلی کے درمیان یہ شہر آباد ہوا تھا۔ اسے شیر شاہ نے بسایا تھا، اب یہ بھی بالکل برباد ہوگیا ہے۔

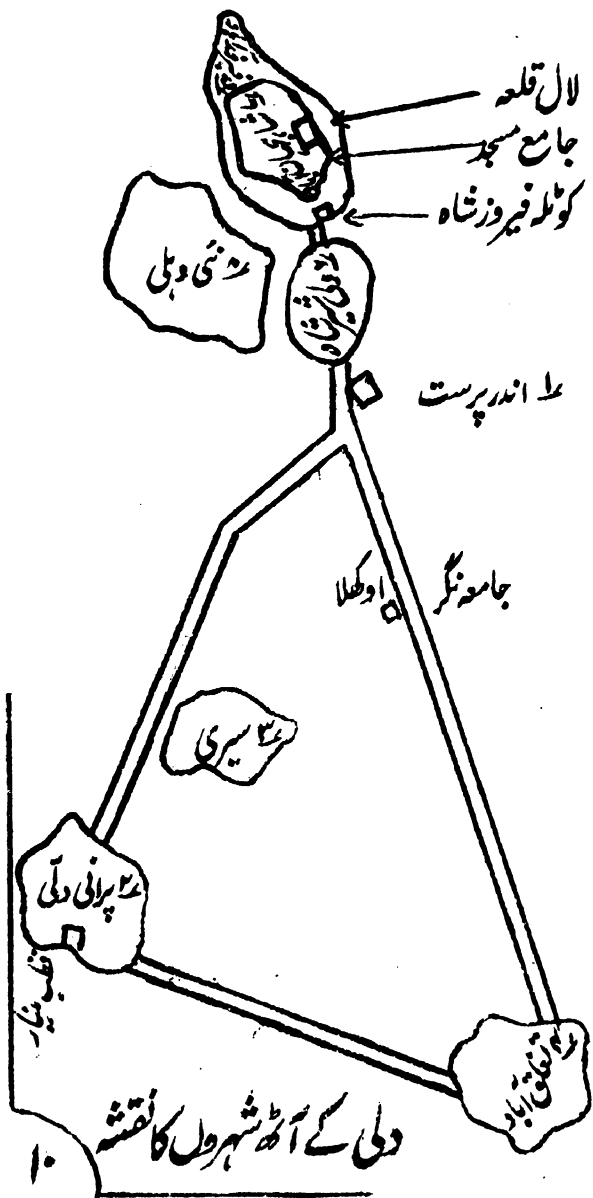
شاہ جہان آباد

یہ ہماری آج کل کی دہلی ہے۔ اسے مغلوں کے مشہور بادشاہ شاہ جہاں نے بسایا تھا اور یہ خدا کے فضل سے اب تک آباد ہے۔ یہی وہ شہر ہے جو ساری دنیا میں مشہور

ہے۔ لال قلعہ اور جامع مسجد بھی اسی دہلی میں ہیں۔ ان کا حال ہم آگے چل کر لکھیں گے۔

نئی دہلی

یہ سب تو دہلی کے سات مشہور شہر ہو گئے مگر اب یہاں ایک آٹھواں شہر بھی آباد ہو رہا ہے۔ یہ نئی دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ اسے انگریزوں نے آباد کیا ہے۔ لیکن یہاں وائسرائے اور اُن کے سب دفتر صرف چھ مہینے رہتے ہیں اور گرمیوں میں شملہ چلے جاتے ہیں اس لئے جب وائسرائے یہاں ہوتے ہیں تو خوب چہل پہل رہتی ہے اور گرمیوں میں بالکل سنسان ہو جاتا ہے۔



دلی کے آٹھ شہروں کا نقشہ

دوسرا باب

دہلی کے بادشاہ

اب ہم دہلی کے بادشاہوں کا سلسلہ وار حال بتائیں گے تاکہ جب ہم عمارتوں اور عمارتوں کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں تو یہ سمجھنے میں دقّت نہ ہو کہ یہ بادشاہ کب گذرے تھے۔ ان سے پہلے کون کون بادشاہ ہوئے اور ان کے بعد کون کون ہوئے۔ اسی خیال سے اس مرتبہ ہم دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھتے ہیں۔ عمارتوں کا حال اگلے باب سے شروع کریں گے۔

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کے زیادہ تر بادشاہ دہلی میں رہتے تھے، اب سے کوئی ساڑھے سات سو برس پہلے افغانستان کے ایک بادشاہ محمدؒ غوری نے دہلی پر حملہ کیا اور یہاں کے راجہ پرتھوی راج سے اسے جیت کر اپنے ایک ترکی غلام قطب الدین ایبک کو یہاں کا بادشاہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ نے قطب مینار کی بنیاد ڈالی قطب الدین سے

لے کر ۸۵ برس تک جو بادشاہ گذرے وہ غلام خاندان کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ ان میں سلطان التمش اور رضیہ سلطانہ زیادہ مشہور ہیں سلطان التمش نے قطب مینار کو پورا کیا تھا۔

غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان کی حکومت ہوئی۔ اس خاندان نے کوئی تیس برس حکومت کی ہوگی۔ اس کا سب سے مشہور بادشاہ علاالدین خلجی گذرا ہے۔

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان شروع ہوا۔ انھوں نے بھی ۸۵ برس تک حکومت کی۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق تھے۔ فیروز شاہ نے ایک قلعہ بنوایا تھا جو فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔

تغلق خاندان کے بعد سیدوں کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے کوئی ۳۸ برس بادشاہت کی، اُن میں کوئی مشہور بادشاہ نہیں ہوا۔

سیدوں کے بعد لودھیوں کی حکومت شروع ہوئی۔ لودھی خاندان نے ۷۵ برس تک سلطنت کی۔ اُن کا آخری بادشاہ ابراہیم لودھی تھا اور اسی سے مغل بادشاہ بابر نے دہلی فتح کی۔

اس طرح پٹھانوں کے پانچ خاندانوں نے کوئی سوا تین سو برس یہاں حکومت کی۔ اس کے بعد مغلوں کی بادشاہت شروع ہو گئی۔

بابر نے صرف چار پانچ سال حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ہمایوں تخت پر بیٹھے۔ ہمایوں کا مقبرہ دہلی کی مشہور عمارتوں میں ہے۔ ہمایوں نے ابھی کوئی دس برس ہی حکومت کی تھی کہ ایک پٹھان بادشاہ شیر شاہ سوری نے ان سے تخت چھین لیا، لیکن شیر شاہ اور اس کا خاندان پندرہ برس سے زیادہ حکومت نہ کر سکے اور ہمایوں بادشاہ نے اپنی سلطنت پھر واپس لے لی۔ مگر ایک سال بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بیٹے اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ اکبر کی عمارتیں زیادہ تر آگرے میں ہیں۔ فتح پور سیکری کی عمارتیں اور آگرے کا قلعہ انھیں کا بنایا ہوا ہے۔

اکبر نے کوئی پچاس برس حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے جہانگیر بادشاہ ہوئے نور جہاں ان ہی کی مشہور ملکہ تھیں۔ انھوں نے کوئی ۲۲ برس حکومت کی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ جہاں تخت پر بیٹھے۔ عمارتوں کے معاملے میں یہ سب سے مشہور گذرے ہیں۔ آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ ان ہی کا بنایا ہوا ہے۔

شاہ جہاں ۳۲ برس تک بادشاہ رہے۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے بھی پچاس سال کے قریب بادشاہت کی۔ ان کے بعد کوئی ڈیڑھ سو برس تک ان کے خاندان میں حکومت رہی اور غدر کے بعد سے دہلی انگریزوں کے قبضہ میں آگئی۔ گویا مغلوں نے بھی کوئی سوا تین سو برس حکومت کی۔

امید ہے کہ اب عمارتوں کا حال بیان کرتے ہوئے جب ہم ان کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں گے تو تمھیں یہ سمجھنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ بادشاہ کون تھے اور کس زمانے میں تھے۔

تیسرا باب

جامع مسجد

دہلی کی جامع مسجد ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔ دور دور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے ہیں اور پُرانے زمانے کے لوگوں کی کاری گری دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ مسجد بہت بڑی اور بہت لمبی چوڑی ہے۔ لیکن اگر ذرا دور سے کھڑے ہو کر دیکھو تو مسجد کا اصل دالان اس کے مینار، اس کے گنبد، اس کے پھاٹک سب کا کچھ ایسا جوڑ ملا ہوا ہے کہ ساری مسجد ایک خوب صورت کھلونا سا معلوم ہوتی ہے۔

مغل بادشاہوں میں اکبر کا نام تو تم نے ضرور سنا ہے، شاہ جہاں بادشاہ اس کا پوتا تھا۔ اب سے کوئی پونے تین سو برس پہلے دہلی میں شاہ جہاں ہی کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ کو اچھی اچھی عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ دہلی کی جامع مسجد بھی اسی بادشاہ نے بنوائی ہے۔

شاہ جہاں کے ایک وزیر تھے سعد اللہ خاں اور ایک

خان ساماں تھے فضل خاں۔ آج کل انگریز بھی اپنے کھانا پکانے اور کھلانے والے کو خان ساماں کہتے ہیں۔ لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔ اس زمانہ میں خان ساماں بادشاہ کے خاص کاموں کا انتظام کیا کرتا تھا۔ ہاں تو یہ مسجد ان ہی دونوں شخصوں کی نگرانی میں بنی تھی۔ پہلے اس جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اسے بھوجلا پہاڑی کہتے تھے۔ بادشاہ نے اسی جگہ کو مسجد کے لئے پسند کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ چھ ہزار راج۔ بیلدار۔ مزدور۔ سنگ تراش[1] وغیرہ چھ برس تک روزانہ اس کے بنانے میں لگے رہے اور لاکھوں روپیہ ان کی مزدوری پر خرچ ہوا ہر قسم کا پتھر بہت سے راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کو نذر کیا تھا۔ مسجد میں زیادہ تر لال پتھر لگا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے۔ اس پر وزیر بہت گھبرائے کیوں کہ ہزاروں من ملبہ[2] پڑا ہوا تھا بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو حکم دے دیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے اٹھا لے جائے۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ دوڑ

---

[1] پتھر کا کام کرنے والے۔ [2] مٹی، پتھر، لکڑی وغیرہ

پڑے اور دیکھتے دیکھتے سارا ملبہ اُٹھ گیا۔ مسجد صاف ہوگئی فوراً فرش فروش شیشہ آلات سے مسجد کو سجا کر دلہن بنا دیا گیا پھر سارے شہر نے اپنے بادشاہ کے ساتھ اس مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور خوب خوشیاں منائیں۔

جامع مسجد خوب صورت تو ہے ہی لیکن اس کی خوب صورتی اس وجہ سے اور زیادہ نکھر گئی ہے کہ اس کی کرسی بہت اونچی ہے۔ کرسی کی اونچائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسجد کے پورب۔ دکھن اور اُتر کی طرف ایک ایک بڑا پھاٹک ہے اور اس پھاٹک تک پہنچنے کے لئے تیس چالیس سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں بہت لمبی اور کافی چوڑی ہیں۔ سب سیڑھیاں مل کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بھاری چبوترہ بنا ہوا ہے۔ ان سیڑھیوں پر ہر قسم کے سینکڑوں دکان دار بیٹھتے ہیں اور شام کے وقت یہاں بڑی رونق ہوتی ہے۔ اندر مسجد کا صحن بہت وسیع ہے اور بیچوں بیچ میں وضو کرنے کے لئے بڑا سا حوض بنا ہوا ہے۔ سامنے تو مسجد کا اصل دوہرا دالان ہے اور باقی تین طرف اکہرے دالان ہیں جن کے در دوطرفہ کھلے ہوئے ہیں۔ ان دالانوں کے بیچ میں تینوں طرف تین بڑے بڑے پھاٹک ہیں جن کی عمارت بھی بہت خوب صورت ہے۔ اُترا اور دکھن کے پھاٹک تو ہمیشہ کھلے رہتے

ہیں لیکن پورب کی طرف کا پھاٹک جس کا رخ لال قلعہ کی طرف ہے عام طور پر بند رہتا ہے۔ اسی پھاٹک سے بادشاہ داخل ہوتے تھے۔
مسجد کے اصل دالان کی چھت بہت اونچی ہے اور محرابیں خوب بڑی بڑی ہیں۔ اندر کا فرش سفید پتھر کا ہے اور کالے پتھر سے مصلّے کے نقشے بنائے گئے ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے خوب صورت ریشمی مُصلے بچھے ہوئے ہیں۔ خاص دالان کے اوپر تین بڑے بڑے نارنگی کی شکل کے گنبد ہیں اور ان کی بناوٹ ٹمرک کی طرح کی ہے۔ ان میں ایک پٹی لال پتھر کی اور ایک کالے پتھر کی ہے۔ اوپر سنہرے کلس ہیں جس سے یہ اور بھی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔ دالان کے دونوں طرف دو بڑے اونچے مینار ہیں۔ یہ بھی لال پتھر کے ہیں اور ان میں سفید پتھر کی کھڑی کھڑی پٹیاں پڑی ہیں۔ ان گنبدوں کے اندر چکر دار زینہ ہے۔ بہت سے لوگ اس پر چڑھ کر ساری دہلی کا نظارہ دیکھتے ہیں۔ ان کے تین کھنڈ ہیں اور ہر کھنڈ کے چاروں طرف کھلا ہوا برآمدہ ہے اور سب سے اوپر بارہ در کی برجی ہے۔ دالان کی محرابوں پر سفید پتھر پر سیاہ پتھر کے حرفوں سے کچھ اچھی اچھی عبارتیں اور قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

آج کل اس مسجد میں سب سے بڑی نماز الوداع[51] کے دن ہوتی ہے دور دور کے شہروں سے ہزاروں آدمی یہاں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ ساری مسجد دالان صحن چھتیں سیڑھیاں سب کھچا کھچ بھر جاتی ہیں اور باہر دور تک میدان میں آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ سڑکوں پر دکانوں پر غرض کہ آس پاس کی چپہ چپہ زمین پر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ امام صاحب کی آواز سب نمازیوں تک پہنچانے کے لئے بیسیوں مکبر[52] کھڑے ہوتے ہیں۔ سچ پوچھو تو اس دن جامع مسجد کا لطف دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

---

۵۱ رمضان کا آخری جمعہ۔

۵۲ جب مجمع زیادہ ہوتا ہے اور امام کی آواز دور تک نہیں پہنچ سکتی تو بیچ بیچ میں لوگ کھڑے ہو کر سجدے اور رکوع کے وقت امام کی آواز دہراتے ہیں انھیں کو مکبر کہتے ہیں۔

چوتھا باب

لال قلعہ

دہلی کی جامع مسجد کی سیر تو تم نے کرلی، اب آؤ، ذرا لال قلعہ کی سیر کرائیں۔ اس قلعہ میں بڑی خوب صورت عمارتیں ہیں۔ یقین ہے انھیں دیکھ کر تم بہت خوش ہوگے۔

دہلی شہر کے بیچ میں ایک مشہور مسجد ہے اسے مسجد فتح پوری کہتے ہیں یہیں سے دہلی کا مشہور بازار چاندنی چوک شروع ہوتا ہے۔ یہ بازار بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ کسی زمانے میں اس کے بیچ میں سے ایک نہر نکلتی تھی۔ نہر کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت لگے تھے۔ سڑکیں اور دوکانیں تھیں۔ اب یہ نہر بند کردی گئی ہے۔ درخت کاٹ دئے گئے ہیں اور سڑک خوب چوڑی نکل آئی ہے۔

جہاں یہ بازار ختم ہوتا ہے بس وہیں سامنے لال قلعہ نظر آتا ہے یہ قلعہ اب سے کوئی تین سو برس پہلے شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا

تھا، وہی بادشاہ جس نے جامع مسجد بنوائی۔

کہتے ہیں یہ قلعہ ساڑھے گیارہ برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ کام کی نگرانی عزت خاں، اللہ وردی خاں اور مکرمت خاں کے سپرد تھی اور کاری گروں میں استاد احمد اور استاد حامد نے سب کام کرایا تھا۔ باہر کی فصیلوں اور اندر کی عمارتوں پر سب ملا کر کوئی ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کی فصیلیں اور اکثر عمارتیں لال پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اسی لیے اس کو لال قلعہ کہتے ہیں۔

اگر تم اس قلعہ کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو ایسا معلوم ہوگا جیسے تم ڈیڑھ میل چلے۔ بس سمجھ لو کہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ شکل میں یہ ہشت پہلو ہے۔ یعنی اس کے آٹھ کونے ہیں۔ اس باب کے ساتھ ہم نے ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ اس نقشے کو دیکھ کر ہشت پہلو کا مطلب تمھاری سمجھ میں آجائے گا۔ قلعہ کی فصیل کے دو طرف بڑا گہرا اور بہت چوڑا خندق ہے جس میں پہلے پانی بھرا رہتا تھا تاکہ دشمن قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اندر نہ گھس آئیں۔ اس قلعہ کے دو بڑے بڑے اور مشہور پھاٹک ہیں۔ ایک کا نام دہلی دروازہ ہے اور دوسرے کا نام لاہوری دروازہ۔ دہلی دروازہ کا رُخ پرانی

دہلی کی طرف ہے۔ اور لاہوری دروازہ کا رُخ چاندنی چوک کی طرف۔ اب
اسی دروازہ سے لوگ زیادہ آتے جاتے ہیں۔

ہاں تو پہلے دو آنے کا ٹکٹ تو خرید لو۔ جب تو اندر جا کر سب کچھ دیکھ
سکو گے کیونکہ بلا ٹکٹ کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ ٹکٹ خرید کر جس دروازہ سے
تم داخل ہوگے وہ گھونگٹ کا دروازہ کہلاتا ہے۔ یعنی جیسے عورتیں چہرے
کے سامنے گھونگٹ کر لیتی ہیں اسی طرح اصل پھاٹک کے سامنے ایک جانب
کو جو دروازہ ہوتا ہے اسے بھی گھونگٹ کا دروازہ کہتے ہیں۔

اس دروازہ کے بعد قلعہ کا اصل پھاٹک پڑتا ہے یہ پھاٹک بڑا خوبصورت
اور شاندار بنا ہے۔ اور اس کی تین منزلیں ہیں، اس پھاٹک کے بعد ایک
بازار پڑتا ہے۔ اسے چھتہ بازار کہتے ہیں۔ یہ بازار اچھا خاصہ لمبا ہے۔ دونوں
طرف دوکانیں ہیں۔ اور سڑک کی چھت پٹی ہوئی ہے۔ البتہ بازار کے
بیچوں بیچ روشنی کے لئے ایک کھلا ہوا چوک ہے۔

اس بازار سے نکل کر ہم کھلے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ کسی زمانے
میں اس میدان کے چاروں طرف بہت سی عمارتیں تھیں لیکن غدر کے بعد یہ
سب عمارتیں گرادی گئیں۔ بس سامنے نقارخانے کی عمارت نظر آتی

ہے، اس پر کسی زمانے میں پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی آج کل اس کے اوپر کے حصے میں فوجی سامان کی نمائش ہوتی ہے۔ طرح طرح کی توپیں بندوقیں، تلواریں، گولے، کارتوس غرض کہ لڑائی کا ہر طرح کا سامان یہاں موجود ہے اور سب لوگوں کو دکھایا جاتا ہے۔

نقار خانے کے سامنے ہی دیوانِ عام کی عمارت نظر آتی ہے۔ بیچ میں کھلا ہوا میدان ہے جس پر سبزہ اُگ رہا ہے۔ پہلے اس میدان کے دونوں طرف بھی اچھی اچھی عمارتیں تھیں لیکن اب اُن کا نشان بھی نہیں ملتا۔

اچھا اب چلو دیوان عام کی سیر کریں۔ اس میں بادشاہ عام دربار کیا کرتے تھے اور ہر فریادی کو اس میں آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ یہ ایک بڑا سا ہال ہے۔ جو تین طرف سے کھلا ہوا ہے۔ صرف پیچھے کو دیوار ہے۔ سامنے بڑے بڑے اور خوب صورت در ہیں۔ کرسی بہت اونچی ہے، اور اندر بیسیوں در اور کھمبے ہیں جس زمانے میں یہاں دربار ہوتا تھا تو فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوتے تھے۔ دیواروں، چھتوں اور کھمبوں پر ریشم کے تھان لپٹے ہوئے تھے اور سامنے کے دروں پر مخمل کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ غرض کہ خوب سجاوٹ ہوتی تھی لیکن اب تو بس خالی عمارت ہی عمارت ہے

سجاوٹ کا کہیں نام بھی نہیں۔

پیچھے کی دیوار کے بیچوں بیچ آگے کو نکلا ہوا ایک بہت اونچا چبوترہ ہے اور اس چبوترے پر پتھر کی بڑی خوب صورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس کو نشیمن کہتے ہیں۔ یہیں دربار کے وقت بادشاہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس چبوترے کے پیچھے ایک دروازہ ہے اسی دروازے سے وہ دربار میں داخل ہوتے تھے چبوترے کے نیچے ایک بہت بڑا سنگ مرمر (سفید پتھر) کا تخت پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تخت پر کھڑے ہوکر وزیر لوگوں کی عرضیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

خوب صورتی اور کاری گری کے لحاظ سے یہ چبوترہ دیکھنے کے قابل ہے سفید پتھر میں دوسرے رنگوں کے پتھر جڑ کر ایسے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں کہ ہو بہو اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کام کو پچّی کاری کہتے ہیں۔ چھتری میں بھی ایسے ہی پھول بیل بنے ہیں۔ انھیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے چاروں طرف ایک باغ کھلا ہو لیکن اس سے بڑھ کر پیچھے کی دیوار میں پچّی کاری کی گئی ہے۔ اس میں سنگ موسیٰ (کالے پتھر) کی تختیاں جڑی ہیں۔ اور ان تختیوں

میں طرح طرح کی چڑیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں ایسی عمدہ ہیں کہ چڑیاں بالکل زندہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ڈالی پر سے یہ چڑیا اب پھر سے اُڑی اور اُس ڈالی پر سے وہ چڑیا اب پھر سے اُڑی، ایک تصویر اس میں اور بھی بہت عمدہ ہے۔ ایک آدمی کھڑا کوئی باجا بجا رہا ہے، شیر اور جنگل کے دوسرے جانور اس کے باجے سے اتنے مست ہو گئے ہیں کہ اس کے پانوؤں میں لوٹ رہے ہیں۔ یہ تصویر لوگ اکھاڑ کر لندن لے گئے تھے۔ لیکن بعد میں پھر وہاں سے منگاکر یہیں جڑ دی گئی۔

(۲)

نقشے میں دیکھو کہ قلعے کے پچھلے حصّے کی طرف جمنا بہہ رہی ہے۔ اس کے کنارے کنارے تمام خاص خاص محل اور عمارتیں ہیں۔ ایک طرف اسد بُرج ہے اور دوسری طرف شاہ بُرج، ان دونوں برجوں کے بیچ میں عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ پہلے یہ سب جگہ محلوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن اب ان میں سے کچھ تو گرا دی گئیں اور کچھ باقی ہیں۔ چلو اسد بُرج کی طرف سے چلیں۔ سب سے پہلی عمارت

خورد جہاں یا چھوٹی دنیا تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عمارت بہت خوبصورت تو نہ تھی لیکن خوش گوار بہت تھی یعنی اس عمارت کے چاروں طرف پھول باغ تھے۔ بڑے بڑے گھنے درخت تھے۔ سبزہ اُگا ہوا تھا۔ فوارے چھوٹتے تھے۔ اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی بارہ دریاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں بڑی ٹھنڈک رہتی تھی۔ اب اس عمارت اور اس کے باغ کا نشان بھی باقی نہیں رہا ہے۔

ممتاز محل

اس کے بعد ممتاز محل ہے۔ پرانے زمانے میں اس میں بیگمیں رہتی تھیں۔ انگریزوں نے جب لال قلعے پر قبضہ کیا تو اسے قید خانہ بنایا تھا۔ اب اس میں عجائب گھر ہے۔ پرانے زمانے کی طرح طرح کی ہاتھ کی کھنچی ہوئی تصویریں، بادشاہوں کے استعمال کے کپڑے برتن، ہتھیار اور بہت سی چیزیں یہاں رکھی ہیں۔ لوگ گھنٹوں یہ چیزیں دیکھتے ہیں اور پرانے زمانے کے کاریگروں کی تعریف کرتے ہیں، کیونکہ یہاں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو آج کل کے کاریگر نہیں بنا سکتے۔

دریا محل

ممتاز محل کے بعد دریا محل تھا۔ اس میں دریا کی طرف ایک سائبان نکلا ہوا تھا۔ اسی لئے اسے دریا محل کہتے تھے۔ اس عمارت کو اب گرا دیا گیا ہے۔

رنگ محل

یہ محل دیوان عام کی بالکل پشت پر پڑتا ہے اسے امتیاز محل بھی کہتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا اور عالی شان محل تھا۔ کسی زمانے میں اس کی چھت پر نیچے کی طرف چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا۔ فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں یہ چھت اکھاڑ دی گئی۔ اس محل کے بیچ میں ایک حوض ہے اس کی شکل بڑے سے کنول کے پھول کی سی ہے۔ پھول کے بیچ میں ایک پیالا سا بنا ہے اور اس پیالے میں سے فوارہ نکلتا ہے۔ اس محل کے نیچے دو تہہ خانے ہیں اور سامنے صحن میں ایک بڑا سا پتھر کا حوض رکھا ہوا ہے۔ اس حوض میں خاص بات یہ ہے کہ یہ ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہے۔ کسی جگہ جوڑ نہیں ہے۔ ایک پتھر کا اتنا بڑا حوض شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئے۔

اس محل کے بیچوں بیچ سے ایک نہر گزرتی ہے۔ اسے نہر بہشت کہتے ہیں۔ یہ نہر شاہ برج کے پاس سے آتی تھی اور راستے میں سب محلوں کے بیچ میں سے گذرتی ہوئی اسد برج کے پاس جمنا میں گر جاتی تھی۔ جگہ جگہ اس میں فوارے لگے تھے۔ جب یہ نہر بہتی ہوگی اور یہ فوارے چلتے ہوں گے تو بڑا بھلا معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن اب تو یہ نہر سوکھی پڑی ہے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔

خاص محل

رنگ محل کے بعد خاص محل ہے۔ اس محل کے تین حصے ہیں۔ تسبیح خانہ، خواب گاہ، اور بیٹھک یا توشہ خانہ۔
جس دالان کا رُخ رنگ محل کی طرف ہے وہ بیٹھک کے نام سے مشہور ہے
تسبیح خانہ اور خواب گاہ کے بیچ میں ایک در ہے جس میں سے نہر بہشت
بہتی ہے اس در میں سنگ مرمر کی ایک جالی بنی ہوئی ہے۔ دور سے دیکھنے
سے یہ جالی اتنی باریک معلوم ہوتی ہے جیسے تاروں کی بنی ہو۔ لیکن قریب سے
یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پتھر کا اتنا نفیس کام کیا گیا ہے۔ اس جالی کے
اوپر ایک ترازو کی تصویر بنی ہے۔ اسے انصاف کی ترازو کہتے ہیں۔ مطلب
یہ ہے کہ بادشاہ سب کو برابر سمجھتے تھے اور سب کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔

خواب گاہ بادشاہ کے آرام کی جگہ ہے۔ اس کے تین کمرے ہیں۔
اور سب کمروں پر دروازے چڑھے ہوئے ہیں۔ اس کی پچھلی دیوار سے
ملا ہوا ایک آٹھ کونوں کا برآمدہ ہے اور اس پر گنبد بنا ہوا ہے۔ اسی کو
مثمن برج کہتے ہیں۔ اس برج پر سونے کا ملمع کئے ہوئے تانبے کے پتر چڑھے
تھے۔ اب تو خالی چونے کا پلاسٹر ہے۔ اس برج کے آٹھ کونوں میں سے
تین تو خواب گاہ میں شامل ہو گئے ہیں اور پانچ کونے جمنا کی طرف

نکلے ہوئے ہیں، بیچ میں ایک چھوٹا سا برآمدہ ہے جو بعد میں اکبر شاہ ثانی نے بنوایا تھا، اسے جھروکہ کہتے ہیں۔

پرانے زمانے میں لوگ روز صبح بادشاہ کی زیارت کو جمنا کے کنارے جمع ہوا کرتے تھے اور بادشاہ اسی جھروکے میں کھڑے ہو کر لوگوں کو درشن دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جب جمنا کے کنارے ہاتھیوں کی لڑائی یا کوئی اور تماشہ ہوتا تھا تو بادشاہ یہیں سے بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے۔

دیوانِ خاص

یہ محل سب سے خوب صورت ہے۔ اس میں بادشاہ دربار کیا کرتے تھے۔ یعنی اپنے وزیروں وغیرہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس کی چھت اور دیواروں پر بہت خوبصورت پچی کاری اور سنہرے پھول بوٹے بنے ہیں۔ اور فارسی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو بس یہیں ہے اس کے سامنے بادشاہی زمانے میں ایک لال پردہ پڑا رہتا تھا۔ محل میں جمنا کی طرف کے دالان میں سنگ مرمر کا تخت رکھا ہوا ہے۔ اس تخت پر بادشاہ کے بیٹھنے کا "تخت طاؤس" رکھا جاتا تھا۔

تختِ طاؤس

یہ تخت بے بدل خاں داروغہ نے شاہ جہاں کے حکم سے بنوایا تھا۔ اس میں ایک لاکھ تولہ سونا لگا تھا اور سات برس میں بن کر تیار ہوا تھا اس میں طرح طرح کے جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، ہیرے، موتی، زمرد، نیلم وغیرہ جڑے تھے۔ اس کی چھت پر بیچ میں ایک درخت ہیرے جواہرات کا تھا اور دونوں طرف دو مور تھے۔ مور کو فارسی میں طاؤس کہتے ہیں اسی لیئے اس تخت کا نام بھی "تختِ طاؤس" پڑ گیا۔ ایران کا بادشاہ نادر شاہ اس تخت کو دہلی سے لے گیا تھا۔

حمّام

دیوان خاص کے بعد حمام ہے یہاں بادشاہ غسل کرتے تھے۔ اس کے تین درجے ہیں۔ جمنا کی طرف کے درجے کو "جامہ کُن" کہتے ہیں۔ یعنی یہاں بادشاہ کپڑے اتارتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ "سرد خانہ" کہلاتا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں ٹھنڈا پانی رہتا تھا۔ یہاں تخت کی شکل کی ایک سنگ مرمر کی جانماز بھی رکھی ہے، تیسرا درجہ "گرم خانہ" کہلاتا ہے۔ اس کے پیچھے پانی گرم کرنے کی انگیٹھی اور حوض ہے، حمام میں دیواروں پر اور فرش پر اتنی زیادہ پچّی کاری کی

ہوئی ہے کہ ایسی کسی عمارت میں نہیں ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول بوٹوں والی بڑی اچھی مخمل کا فرش ہے۔ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے بھی جی دُکھتا ہے کہ کہیں یہ میلی نہ ہو جائے۔ اس کے حوضوں اور نالیوں میں پتھر کی پچّی کاری کر کے اس طرح کا لہریا بنا دیا گیا ہے کہ جب اس میں پانی بہے تو یہ ہلتا ہوا معلوم ہو۔

موتی مسجد حمام کے پچھم کی طرف سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی خوب صورت مسجد ہے۔ یہ مسجد اورنگ زیب بادشاہ نے بنوائی تھی، اس میں بادشاہ اور بیگمیں نماز پڑھا کرتی تھیں۔ اس کے گنبد بالکل سنہرے تھے۔ غدر میں ان پر ایک توپ کا گولا گرا تھا جس سے بہت نقصان ہوا تھا۔ اب ان کی مرمت کر دی گئی ہے۔ مسجد کے بیچ میں وضو کرنے کے لئے ایک حوض بنا ہے اور فرش پر مصلّوں کے نقشے بنے ہیں۔

ہیرا محل۔ موتی محل ہیرا محل حمام کے اُتر کی طرف ایک بارہ دری کی شکل کا ہے، اس کو بہادر شاہ ظفر نے بنوایا تھا جو دہلی کے آخری مسلمان بادشاہ تھے۔ اسی کے برابر میں کسی زمانے میں موتی محل تھا۔ لیکن غدر کے بعد اسے توڑ ڈالا گیا۔ اب صرف اس کی

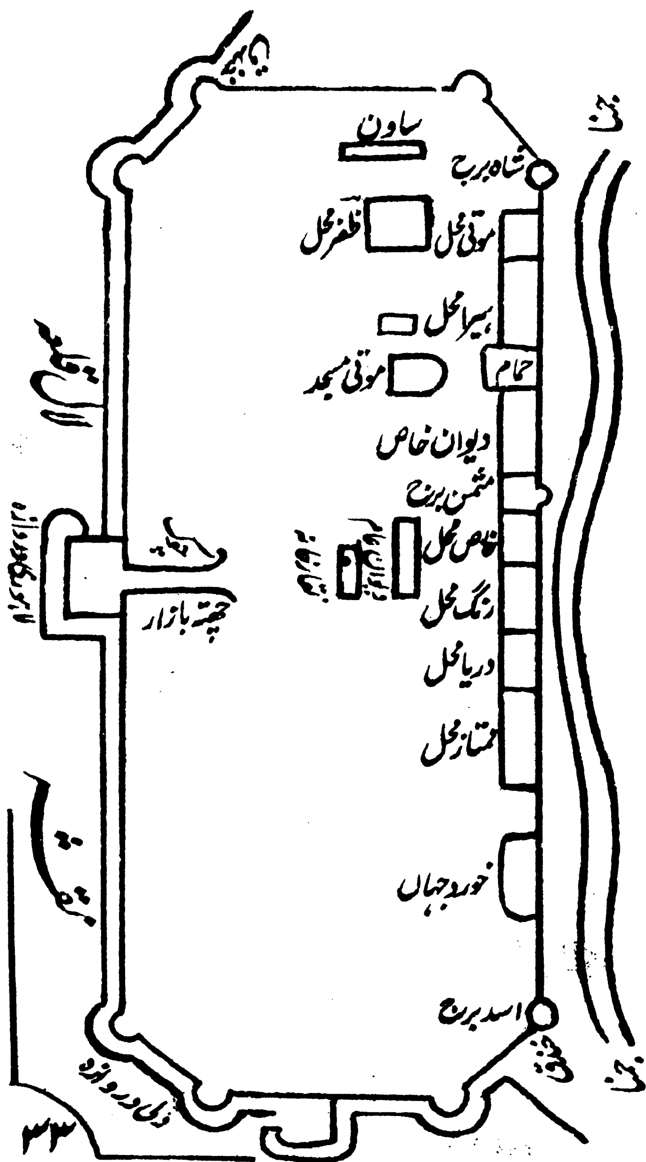
حد یں معلوم ہوتی ہیں کہ یہاں یہاں تک تھا۔

ساون۔ بھادوں

ہیرا محل اور موتی محل کے سامنے ساون اور بھادوں کی دو عمارتیں آمنے سامنے بنی ہیں۔ یہ عمارتیں سنگ مرمر کی ہیں اور بالکل ایک سی بنی ہیں۔ ان کے بیچ میں حوض ہیں جن میں نہر سے پانی کی چادر گرتی تھی اور آگے فوارے کی طرح چھوٹتی تھی۔ اسی لئے انھیں ساون اور بھادوں کہتے ہیں۔

ظفر محل

ساون بھادوں کے بیچ میں حیات بخش باغ تھا۔ باغ کے بیچوں بیچ بڑا سا حوض ہے اور حوض کے بیچ میں یہ لال پتھر کی عمارت ہے اسے بھی بہادر شاہ ظفر ہی نے بنوایا تھا۔



ساون
شاہ برج
موتی محل
ظفر محل
ہیرا محل
حمام
موتی مسجد
دیوان خاص
مثمن برج
خاص محل
رنگ محل
دریا محل
ممتاز محل
خورد جہاں
اسد برج
چھتہ بازار

پانچواں باب

قطب مینار

اب تک تم نے شہر دہلی کے اندر کی دو مشہور عمارتوں کی سیر کی۔ آؤ آج ذرا دور، دہلی کے باہر چلیں اور قطب مینار کی سیر کرائیں۔
یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اصلی پرانی دہلی یہی تھی جہاں قطب مینار بنا ہے یہیں پہلے ہندو راجہ رائے پتھورا حکومت کرتا تھا اور اسی کو سلطان محمد غوری نے فتح کیا تھا۔ پھر فتح کرنے کے بعد یہیں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو گورنر بنا کر واپس چلا گیا تھا۔ قطب الدین کے بعد سلطان شمس الدین التمش دہلی کے بادشاہ ہوئے اور ان ہی نے یہ قطب مینار بنوایا۔
قطب مینار ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی عمارت ہے اور بلندی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں، اور اس کے اوپر چڑھتے ہیں۔ یہ مینار اتنا اونچا ہے کہ اگر نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی سر سے گر جاتی ہے اور اگر اوپر

چڑھ کر نیچے نظر ڈالو تو ساری دہلی دور دور تک نظر آتی ہے اور نیچے کے آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بالشتئے ہوں۔

کہتے ہیں اس مینار کے پہلے سات کھنڈ تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو برس ہوئے جب بڑے زور کی کالی آندھی اور زلزلہ آیا تھا۔ اس وقت اوپر کے دو کھنڈ گر گئے۔ اب صرف پانچ کھنڈ باقی ہیں۔ انگریزوں نے پانچویں کھنڈ کے اوپر ایک چھتری یا برجی بنوائی تھی بعد میں اُسے اتروا کر نیچے رکھوا دیا ہے۔ مینار اب پانچوں کھنڈ ملا کر کوئی اسّی گز اونچا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جب ساتوں کھنڈ موجود تھے تو اس کی اونچائی پورے سَو گز تھی۔ ہر کھنڈ کے ختم پر چاروں طرف ایک خوب صورت برآمدہ بنا ہوا ہے اور سب سے اوپر سنہرا کٹہرا ہے تاکہ جو لوگ اوپر چڑھیں وہ گر نہ جائیں، پہلے کھنڈ میں، باہر کی طرف کو، اوپر سے نیچے تک ایک لکیر گول اور ایک کمرک کی طرح بنائی ہے۔ دوسرے کھنڈ میں سب لکیریں گول ہیں۔ تیسرے میں سب کمرکی ہیں۔ او چوتھے، پانچویں کھنڈ سادے ہیں، مینار کے باہر باہر پتھر پر بڑے اچھے اچھے بیل بوٹے کھودے گئے ہیں اور قرآن شریف کی آیتیں ایسی خوب صورتی سے کھودی ہیں جیسے کسی خوش خط نے لکھنے

والے نے کاغذ پر لکھ دی ہوں۔

مینار اندر سے بالکل خالی ہے اور چکر دار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد پونے چار سو کے قریب ہوتی ہے ان پر اتنے آدمی اترتے چڑھتے ہیں کہ یہ سیڑھیاں بہت کچھ گھس گئی ہیں۔ مینار پر چڑھتے وقت طاقتور سے طاقتور آدمی ہانپنے لگتا ہے۔ سانس پھول جاتی ہے اور جب اوپر پہنچتا ہے تو پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ لیکن جہاں اوپر پہنچے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اور ذرا سی دیر میں ساری تھکن اُتر جاتی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ چڑھنے سے زیادہ اُترنا مشکل ہے۔ اُترنے میں پنڈلیاں اور رانیں پھٹنے لگتی ہیں اور کئی کئی دن تک ان میں درد باقی رہتا ہے۔

مینار کے پاس ہی ایک عالی شان مسجد کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں یہ پرانی دہلی کی جامع مسجد تھی۔ اسے سلطان قطب الدین ایبک نے بنوایا تھا اور بعد کے بادشاہوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا۔ لیکن اب یہ مسجد گر گئی ہے۔ صرف تھوڑی سی دیواریں، محرابیں اور ایک دروازہ باقی ہے۔ ان سب پر بہت نفیس بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور قرآن شریف کی آیتیں کھدی ہوئی ہیں۔

مسجد کے صحن میں ایک لوہے کی لاٹھ ہے۔ یہ لاٹھ بالکل ٹھوس اور ایک سی ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے زمانے کی ہے اور اس پر اسی زمانے کی پرانی زبان میں کچھ کھُدا ہوا ہے۔

مسجد کے پیچھے ایک بغیر چھت کا مقبرہ ہے اس میں ایک اونچی سی قبر ہے۔ اسی میں قطب مینار کا بنانے والا سلطان شمس الدین التمش قیامت کی نیند سو رہا ہے۔

مینار کے پچھم کی طرف اور مسجد کے دکھن کی طرف ایک اور ٹوٹا پھوٹا سا مقبرہ ہے۔ اس میں سلطان علاء الدین خلجی کی قبر ہے۔ اسی بادشاہ نے مسجد کی دوسری طرف قطب مینار کے مقابلے میں ایک اور مینار بنوانا شروع کیا تھا لیکن وہ ابھی تھوڑا ہی سا بن پایا تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ مینار اب بھی ویسے ہی ادھورا پڑا ہے۔ قطب مینار کے دکھن کی طرف ایک بڑا خوب صورت پھاٹک بنا ہوا ہے۔ اس کو بھی علاء الدین خلجی نے بنوایا تھا۔

اچھا اب تم نے قطب مینار کے آس پاس کی سب چیزیں تو دیکھ لیں اب ذرا اس احاطے سے باہر چلو۔

قطب مینار کے پچھم کو حضرت قطب صاحب کا مزار ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ شاید تمہیں سمجھنے میں کچھ غلطی ہو اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دہلی کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کی قبر لاہور میں ہے۔ یہ مزار تو ایک درویش کا ہے جنھیں قطب صاحب کہتے ہیں اور جن کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکیؒ ہے۔ یہاں بھی مسلمان زیارت کے لئے آتے ہیں۔ درگاہ کے احاطے میں آخری زمانے کے کئی مسلمان بادشاہوں کی بھی قبریں ہیں۔

ان عمارتوں کے علاوہ اکبر بادشاہ کی دایہ کے لڑکے کا مقبرہ، اولیاً مسجد، شمسی تالاب، جھرنا اور پھول والوں کی سیر کی جگہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

چھٹا باب

ہُمایُوں کا مقبرہ

قطب مینار تو تم نے دیکھ لیا اب چلو ہمایوں کا مقبرہ دکھا لائیں۔
یہ مقبرہ قطب مینار اور دہلی شہر کے قریب قریب اُدھ بیچ میں ہے۔ یہاں دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کا مزار ہے۔

مقبرے تو ہندوستان میں بہت سے ہیں لیکن خوب صورتی کے لحاظ سے دو بہت مشہور ہیں، اول نمبر پر آگرے کا تاج محل ہے۔ اور دوسرے نمبر پر ہمایوں کا مقبرہ ہے۔

ہمایوں اکبر بادشاہ کا باپ تھا۔ بے چارہ تھوڑے ہی دن ہندوستان میں حکومت کر سکا تھا کہ شیر شاہ نے اس سے دہلی کا تخت چھین لیا۔ پھر یہ ایران گیا اور وہاں سے کمک لا کر اپنا تخت واپس لیا۔

اس کے بعد سے غدر کے زمانے تک ہندوستان میں مغلوں ہی کی سلطنت رہی۔ ہمایوں نے تو پھر تھوڑے دن حکومت کی

لیکن ان کے بیٹے اکبر بادشاہ نے جو اپنے باپ کے انتقال کے وقت بہت ہی کم عمر تھے اور ان کی اولاد نے عرصے تک حکومت کی سلطنت کو خوب ترقی دی اور بہت سی اچھی اچھی عمارتیں بنوائیں۔

ہمایوں کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہوا۔ ایک دن وہ اپنے کتب خانے کی اوپر والی منزل پر بیٹھا تھا کہ اتنے میں مغرب کی اذان ہوئی۔ بادشاہ مسجد میں جماعت میں شریک ہونے کے لئے جلدی جلدی اُترنے لگا اتفاق سے سیڑھیوں پر سے پاؤں پھسلا اور وہیں گر کر شہید ہو گیا۔

یہ مقبرہ ہمایوں کے انتقال کے چودہ برس بعد اس کی بیوی حمیدہ بانو بیگم نے بنوایا تھا۔ گویا اسے بنے ہوئے پونے چار سو برس ہوئے۔ کہتے ہیں کہ سولہ برس میں یہ بن کر تیار ہوا تھا اور ۱۵ لاکھ روپیہ اس پر خرچ آیا تھا۔

اس مقبرے میں جانے سے پہلے ایک بڑا سا خوب صورت پھاٹک پڑتا ہے۔ اس پھاٹک سے نکل کر سامنے مقبرے کی عمارت نظر آتی ہے۔ اس مقبرے میں صرف ہمایوں بادشاہ ہی کی قبر نہیں ہے بلکہ مغل بادشاہوں کے خاندان کے بہت سے لوگ یہاں دفن ہیں۔ اس بابر کے

سامنے مقبرے کی ایک تصویر بھی ہے۔ اس میں دیکھو اوپر کی منزل پر تو مقبرے کی عمارت ہے اور نیچے کی منزل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے در نظر آتے ہیں۔ اصل میں یہ سب در تہ خانوں کے راستے ہیں۔ ان ہی تہ خانوں میں شاہی خاندان کے لوگ دفن ہیں۔ ان میں جو مشہور ہیں ان کے تعویذ اوپر کی منزل پر بنا دیئے گئے ہیں۔ خود ہمایوں اور اس کی بیوی کی قبریں بھی نیچے تہ خانے میں ہیں۔ اوپر تو صرف تعویذ ہیں۔ شاہ جہاں کے بیٹے اور اورنگ زیب کے بھائی داراشکوہ کی قبر بھی یہیں ہے لیکن اس کا ٹھیک نشان کسی کو معلوم نہیں۔ بادشاہوں میں سے فرخ سیر، رفیع الدولہ، رفیع الدرجات اور عالم گیر ثانی بھی یہیں دفن ہیں۔

نیچے کی منزل میں جو در نظر آتے ہیں ان میں سے بیچ کے در میں سیڑھیاں ہیں ان ہی سیڑھیوں پر سے اوپر جاتے ہیں۔ اوپر بڑا لمبا چوڑا صحن ہے۔ اور بیچوں بیچ میں مقبرے کی عمارت ہے۔ یہ عمارت بہت بڑی ہے لیکن ہر چیز کا جوڑ ایسا ملایا گیا ہے کہ بڑی سُبک معلوم ہوتی ہے سارا مقبرہ تو لال اور سفید پتھر کا ملا ہوا بنا ہے لیکن بیچ کا گنبد بالکل سفید پتھر کا ہے اس لئے موتی کی طرح خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

ہمایوں کی قبر تک جانے کے لئے سامنے جو دروازہ نظر آتا ہے اس سے راستہ نہیں ہے بلکہ سیدھے ہاتھ کی طرف مڑنا پڑتا ہے۔ مقبرے کے دکھن کی طرف جو دروازہ ہے اس میں گھستے ہی سامنے دو بڑی بڑی قبریں نظر آتی ہیں۔ یہی ہمایوں بادشاہ اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں۔ اندر سے بھی مقبرے کا گنبد بہت ہی مضبوط اور خوبصورت ہے۔ اس بیچ والے مقبرے کے چاروں طرف بہت سے کمرے ہیں۔ ان کمروں میں بھی اکثر بادشاہوں کی قبریں ہیں۔

دکھنی دروازے کے دونوں طرف زینے ہیں۔ ان سے لوگ اوپر چڑھ کر دور دور کی سیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اوپر کے کمروں میں بھول بھلیاں ہے۔ یعنی آدمی اوپر جاکر راستہ بھول جاتا ہے۔

یہ مقبرہ ایک لحاظ سے اور مشہور ہے۔ مغلوں کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھے۔ جب انگریزوں نے دہلی پر حملہ کیا تو یہ بے چارے لال قلعہ سے بھاگ کر یہیں آکر چھپے تھے۔ کسی نے انگریزوں کو خبر دی۔ بس اُن کا ایک افسر میجر ہڈسن فوج لے کر یہاں آپہنچا۔ بادشاہ اپنے بال بچوں کو لئے اسی بیچ والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ قبر کے برابر

اُن کی مسند بچھی تھی۔ اور وہ خود قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ میجر ہڈسن نے آکر اُنھیں گرفتار کرلیا اور قید کرکے برما بھیج دیا۔ اُن بےچارے کا وہیں انتقال ہوا اور وہیں قبر ہے۔

مقبرے کے باہر بھی بہت سی عمارتیں دیکھنے کے قابل ہیں مثلاً عیسٰے خاں کا مقبرہ، عرب سرائے جہاں عرب کے لوگ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شمس الدین کا مزار حضرت نظام الدین اولیاؒ کے رہنے کا مکان وغیرہ وغیرہ۔

ساتواں باب

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

ہمایوں کے مقبرے سے تھوڑی دور پر حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مزار ہے۔ چلو اس کی زیارت بھی کرتے چلیں۔

حضرت نظام الدینؒ دہلی کے بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ دن رات اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بُرے کاموں سے بچتے تھے۔ اچھے کام کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندے تھے۔ بس اللہ تعالیٰ بھی اُن سے خوش ہُوا اور انھیں اتنا بڑا مرتبہ بخشا کہ یہ اللہ والے، اللہ کے پیارے یعنی محبوب الٰہی مشہور ہوگئے پھر تو ان کی خدمت میں بڑے بڑے بادشاہ حاضر ہونے لگے۔ سارے ہندوستان میں اُن کا نام مشہور ہوگیا۔ اور لوگ انھیں ولی اللہ اور پہنچے ہوئے فقیروں کا بادشاہ یعنی سلطان جی کہنے لگے۔ اب بھی دور دور سے لوگ اُن کے مزار کی زیارت کے لئے آیا کرتے ہیں۔

چاند کے مہینے تو شاید تمہیں معلوم ہوں محرم سے سال شروع

ہوتا ہے۔ اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا ہے، پھر ربیع الاول کا۔ پھر ربیع الثانی کا۔ بس اسی ربیع الثانی کے مہینے میں سترھویں تاریخ کو سلطان جی کا عرس ہوتا ہے۔ درگاہ کے چاروں طرف بڑا بھاری میلہ لگتا ہے اور ہزاروں آدمی وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

سلطان جی کو انتقال کئے کوئی سوا چھ سو برس کا عرصہ گذرا ہے۔ انھوں نے دہلی کے سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا یعنی غلام خاندان کے بادشاہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں پیدا ہوئے خلجیوں کے سارے خاندان کو دیکھا اور غیاث الدین تغلق کے زمانے میں وصال ہوا۔

مزار کے پھاٹک سے داخل ہونے پر سب سے پہلے ایک باؤلی پڑتی ہے۔ یہ باؤلی بہت گہری ہے اور نیچے تک اس میں بڑی خوبصورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سلطان جی نے اپنے جیتے جی بنوائی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس میں نہانے سے جلد کے بہت سے مرضوں مثلاً کھجلی، پھنسی وغیرہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس باؤلی میں گندھک کی بو آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پانی میں ضرور گندھک کا اثر

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھوڑا یا پھنسی کو آرام ہو جاتا ہے۔ اس باؤلی میں ایک
تماشہ خوب ہوتا ہے۔ اوپر سے لوگ اس میں پیسے پھینکتے ہیں۔ تیرنے والے
لڑکے پیسے کے ساتھ ہی کودتے ہیں اور اس سے پہلے کہ پیسہ پانی تک
پہنچے یہ راستہ ہی میں لپک لیتے ہیں۔

باؤلی کے بعد پھر مزار کا اصل دروازہ آتا ہے۔ اس کے بعد ایک
کھلا ہوا صحن ہے۔ اور بیچوں بیچ میں مزار کی نہایت خوب صورت چھوٹی
سی عمارت ہے۔ عمارت کے اوپر سنگ مرمر کا گنبد ہے۔ بیچ میں حجرہ ہے
اور اس کے چاروں طرف بارہ دری ہے۔ اس کی چھت تانبے کی ہے۔
جس پر سونے اور لاجورد کی مینا کاری کی ہوئی ہے۔ حجرے کے دروازے
چاندی کے ہیں۔ اسی کے اندر مزار ہے اور اس پر صندل کا جالی دار
چھپر کھٹ سا بنا ہوا ہے۔

مزار کے پچھم کی طرف ایک عالی شان مسجد ہے اسے سلطان
علاؤ الدین خلجی اور اس کے بیٹوں نے بنوایا تھا۔ اس کا گنبد اندر سے بہت
اونچا ہے۔ لمبائی چوڑائی کم ہے۔ اور کھلا ہوا صحن بالکل نہیں ہے اس لئے
یہ مسجد کچھ بند بند سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بیچوں بیچ میں ایک سونے کا

کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ جب جاٹوں نے دلی پر چڑھائی کی تو انھوں نے اس پر بندوقیں چلائی تھیں۔ اس کے سوراخ اب تک موجود ہیں۔

مزار کے بالکل سامنے تین کھلی چھت کے حجرے ہیں۔ ان کی دیواریں خوبصورت جالی دار پتھر کی ہیں۔ سیدھے ہاتھ کی طرف پہلے حجرے میں شاہ جہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا کی قبر ہے۔ اس کی قبر پر فارسی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گھاس کے سوا میری قبر پر کوئی غلاف نہیں کیونکہ غریبوں کی قبر پر اسی کا غلاف ہوتا ہے۔ دوسرے حجرے میں دہلی کے بادشاہ محمد شاہ رنگیلے دفن ہیں اور تیسرے حجرے میں آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بھائی مرزا جہاں گیر کی قبر ہے۔

انھیں دیکھنے کے بعد آگے چلو یہاں سلطان جی کے مرید حضرت امیر خسرو کا مزار ہے۔ یہ فارسی اور ہندی کے بہت مشہور شاعر گذرے ہیں اور بڑے اچھے بزرگ تھے۔ انھوں نے بہت سی پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ بھی کہی ہیں۔ تم کو بھی ان کے سننے کا بڑا شوق ہوگا اس لئے ہم علیحدہ علیحدہ سب کے نمونے لکھتے ہیں۔

الف. بوجھ دار پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں اُن کی بوجھ بھی موجود ہو۔ اور ذرا سے غور کرنے سے سمجھ میں آ جائے مثلاً

لوٹا:۔ گول مول اور چھوٹا موٹا — ہر دم وہ تو زمیں پہ لوٹا
خسرو کہے یہ نہیں ہے جھوٹا — جو نا بوجھے عقل کا کھوٹا

موری:۔ ساون بھادوں بہت چلت ہے ماگھ پوس میں تھوڑی
امیر خسرو یوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری

ناخن:۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا
بچوری کی نا خون کیا

ب. بن بوجھ پہیلیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں بوجھ موجود نہ ہو اور زیادہ غور کرنا پڑے۔ یہ زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں۔

آسمان:۔ ایک تھال موتیوں سے بھرا — سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھالی پھرے — موتی اس سے ایک نہ گرے

آئینہ:۔ سامنے آئے کر دے دو — مارا جائے نہ زخمی ہو

بچھو:۔ آگے سے وہ گانٹھ گٹھیلا پیچھے سے وہ ٹیڑھا
ہاتھ لگائے قہر خدا کا بوجھ پہیلا میرا

بھٹا:۔ آگے آگے بہنا آئی پیچھے پیچھے بھیا
دانت نکالے باوا آئے برقعہ اوڑھے میا

پھوٹ:۔ کھیت میں اُپجے سب کوئی کھائے
گھر میں ہووے گھر کو کھائے

روپیہ:۔ دانائی سے دانت اس پہ لگاتا نہیں کوئی
سب اُس کو بُھناتے ہیں پہ کھاتا نہیں کوئی

کہہ مکرنیاں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں اتا پتا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اصل بوجھ کے بجائے کسی دوسری چیز کا شبہ ہو پھر بعد میں وہ بوجھ کہہ دی جاتی ہے۔ مثلاً

رام (خدا):۔ بکھت بے بکھت موہے وا کی آس
رات دِنا وہ رہوت پاس
میرے من کے کرت سب کام

اے سکھی ساجن نا سکھی رام

ڈھول:۔ وہ آوے تب شادی ہو　　اس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں وا کے بول　　اے سکھی ساجن نا سکھی ڈھول

دوسخنے

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں کئی سوال کئے جائیں اور سب کا جواب ایک ہی ہو مثلاً

روٹی جلی کیوں۔ گھوڑا اڑا کیوں۔ پان سڑا کیوں؟　　پھیرا نہ تھا
گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا؟　　گلا نہ تھا
راجہ پیاسا کیوں۔ گدھا اُداسا کیوں؟　　لوٹا نہ تھا

نسبتیں

یہ وہ پہیلیاں ہوتی ہیں جن میں دو چیزوں کی ایک ہی ملتی جلتی بات پوچھی جاتی ہے مثلاً

گوٹے اور آفتاب میں کیا نسبت ہے؟　　کرن
گہنے اور درخت میں کیا نسبت ہے؟　　پتے
گھوڑے اور بزاز میں کیا نسبت ہے؟　　تھان

انمل ڈھکوسلے

ان میں بالکل بے جوڑ بات کہی جاتی ہے۔ مثلاً
کوٹھی بھری کلہاڑیاں تو حریرہ کرکے پی لی
بہت جلدی ہے تو چھپر سے منہ پونچھ

اچھا اب تم نے امیر خسرو کی پہیلیاں بھی سن لیں۔ اور یہاں کی سب عمارتیں اور مزار بھی دیکھ لئے لیکن ایک چیز رہ گئی ہے۔ چلو وہ بھی دکھا دیں۔

درگاہ سے باہر نکل کر سیدھے ہاتھ کی طرف تھوڑی دور جاؤ تو مرزا اسد اللہ خاں غالب کی قبر ملے گی۔ یہ بھی دیکھ لو۔ کیوں کہ یہ اردو کے بہت بڑے شاعر گذرے ہیں۔ ان کی شاعری بہت مشکل ہے۔ اس لئے جب تم بڑے ہوگے تو انکے شعر تمھاری سمجھ میں آئینگے۔ ابھی تم انھیں پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔

غالب کی قبر کے ذرا آگے بڑھ کر ایک پھاٹک پڑتا ہے۔ اس کے اندر جاکر سامنے ایک بڑی خوبصورت عمارت نظر آتی ہے جسے چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں اسے بھی ضرور دیکھ لو۔ اور اس کے بعد گھر واپس چلو۔

یوں دیکھنے کو یہاں بہت سے بڑے بڑے آدمیوں کی قبریں ہیں لیکن سب چیزیں دیکھنے میں تو بہت وقت لگے گا۔ اور اب دیر بھی کافی ہوگئی ہے

آٹھواں باب

دو پُرانے قلعے

اب تم نے دہلی کی سب اچھی اچھی اور خاص خاص عمارتیں تو دیکھ لیں آج چلو دو پُرانے قلعوں کی سیر کرائیں۔

اندر پرست یا دین پناہ

دہلی کا یہ سب سے پُرانا قلعہ ہے۔ اور شہر سے کوئی میل ڈیڑھ میل پر واقع ہے کہتے ہیں کہ اسے بنے ہوئے بارہ سو برس کے قریب ہوئے۔ دہلی میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندو راجاؤں کی حکومت تھی ان میں تنور راجپوت خاندان کے ایک راجہ انند پال تھے انھوں نے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ اسے اندر پرست کہتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کی حکومت ہوئی اور ہمایوں بادشاہ تخت پر بیٹھے تو انھوں نے اس کی دوبارہ مرمت کرائی اور اس کا نام دین پناہ رکھا۔ کچھ دن بعد شیر شاہ نے ہمایوں سے تخت چھین لیا اور اس قلعے پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا۔ پھر شیر شاہ

نے اس میں ایک عالی شان مسجد اور ایک اچھی سی عمارت بنوائی۔ اس عمارت کو شیر منزل کہتے تھے لیکن بگڑتے بگڑتے اس کا نام شیر منڈل پڑ گیا ہے۔ شیر شاہ کے انتقال کے بعد جب ہمایوں بادشاہ ایران سے فوج لے کر واپس آیا اور اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کیا تو شیر منزل کو اپنا کتب خانہ بنایا۔ یہی وہ منحوس عمارت ہے جس پر سے گر کر ہمایوں بادشاہ کا انتقال ہوا۔

مسجد اور شیر منزل کے سوا اور کوئی عمارت اس قلعے میں دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی یہ اس خیال سے دیکھنے کے قابل ہے کہ دہلی کا سب سے پرانا قلعہ ہے جو اب تک موجود ہے۔

کوٹلہ فیروز شاہ

دہلی شہر کے بہت سے دروازے ہیں ان میں سے ایک دہلی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس دروازے کے باہر نکلتے ہی تھوڑے سے فاصلے پر فیروز شاہ کا بنایا ہوا قلعہ ہے اسے کوٹلہ کہتے ہیں۔

یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مسلمانوں میں یہاں پہلے پٹھانوں کی حکومت تھی۔ ان میں ایک خاندان، تغلقوں کا گذرا ہے۔ فیروز شاہ بھی اسی خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ نے ایک نیا شہر آباد کیا

تھا جو قریب قریب اسی جگہ پر تھا جہاں ہماری موجودہ دہلی ہے۔ البتہ ہماری دہلی سے کچھ بڑا تھا پہلے آبادی کی ساری بہار قطب صاحب کی طرف تھی اس لئے اسی طرف کو شہر کے کنارے پر فیروز شاہ نے اپنا قلعہ بنوایا تھا۔

اس قلعے میں بھی دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایک مسجد اور دوسرے اشوکا کی لاٹھ۔

یہ مسجد بہت بڑی خوب صورت اور دو منزلہ بنی ہوئی ہے۔ جس طرح فتح پوری مسجد کے سوا دہلی میں اور کوئی مسجد ایک گنبد کی نہیں ہے اسی طرح اس مسجد کے سوا اور کوئی خاص مسجد دو منزلہ نہیں ہے۔ اور جس طرح چاندنی چوک کی سنہری مسجد میں مسلمانوں کے آخری زمانے میں نادر شاہ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی، اسی طرح مسلمانوں کے شروع زمانے میں اسی مسجد میں تیمور لنگ نے فتح کے بعد نماز پڑھی تھی۔ اس مسجد کے صحن میں ایک بڑی بھاری باؤلی بھی ہے۔

دوسری چیز اشوکا کی لاٹھ ہے اچھا پہلے ہم اشوکا کی لاٹوں کا تھوڑا سا حال بتا دیں اس کے بعد اس لاٹ کا تذکرہ کریں گے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں پہلے زمانے میں صرف ہندو آباد تھے اس کے بعد ایک بزرگ مہاتما بودھ پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک نیا مذہب شروع کیا پھر تو قریب قریب سارا ہندوستان ان کا مرید ہو گیا اور ان ہی کے مذہب کو ماننے لگا۔ رعایا سے لے کر راجہ تک سب نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔ ان ہی راجاؤں میں ایک راجہ اشوک گذرے ہیں۔ یہ بڑے زبردست بادشاہ تھے انھوں نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا تھا اور بودھ مذہب کے پھیلانے میں بڑی کوشش کی تھی۔ ان ہی کی کوشش سے برما، سیام، چین، جاپان سب بودھ مذہب کے پیرو ہو گئے اور آج تک اسی مذہب کو مانتے ہیں۔

اشوک نے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پتھر کے ستون بنوا کر لگوائے تھے۔ اور ان پر اپنے مذہب اور سلطنت کے خاص خاص حکم کھدوائے تھے کچھ زمانے کے بعد ہندوستان سے بودھ مذہب ختم ہو گیا اور ہندو مذہب کا پھر دور دورہ ہوا۔ اس کے بعد مسلمان یہاں آئے اور سینکڑوں برس تک حکومت کی۔ اب انگریزوں کا راج ہے۔ زمانہ بدل گیا۔ لیکن اشوکا کی لاٹیں اب تک موجود ہیں۔

دہلی میں اس قسم کی دو لاٹیں ہیں۔ یہ دونوں فیروز شاہ نے باہر سے

لاکر یہاں کھڑی کرائی تھیں۔ ایک تو میرٹھ سے لاکر کوشک شکار میں رکھی دوسری دہلی کے ایک گاؤں خضر آباد سے لاکر اپنے قلعے میں رکھی اور اسکا نام "منارۂ زریں" رکھا۔

اس لاٹ میں کہیں جوڑ نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی پتھر کی کھڑی ہوئی ہے اس کا وزن ساڑھے سات سو من بتایا جاتا ہے اور کوئی چودہ گز اونچی ہے۔ کچھ حصہ زمین کے اندر ہے اور زیادہ باہر ہے۔ خضر آباد دہلی سے کوئی ایک سو بیس میل پر ہے۔ خیال تو کرو اتنی بھاری لاٹ بغیر ٹوٹے پھوٹے اتنی دور سے کیسے لائی گئی ہوگی لیکن بادشاہ کا حکم تو پورا ہونا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس پر سینکڑوں من روئی اور کپڑا لپیٹا گیا۔ پھر جڑ کے چاروں طرف کھدائی شروع ہوئی۔ لوہے کا ایک بہت بڑا اور مضبوط خاص قسم کا چھکڑا تیار کیا گیا۔ جو اس کے پاس ہی لگا دیا گیا، پھر چھکڑے پر روئی اور کپڑے بچھا کر موٹے موٹے رسوں کے سہارے لاٹ کو اس پر گرایا گیا۔ سینکڑوں بیل اور ہزاروں آدمی جمع کئے گئے اور یہ سب مہینوں میں اس چھکڑے کو ڈھکیل ڈھکیل کر دہلی لائے۔

خیر تو اب تم اس لاٹ کو دیکھ لو لیکن اس کی عبارت نہ تم سے پڑھی جائے گی نہ سمجھ میں آئے گی۔ اس کے بعد گھر واپس چلیں گے اور انشاء اللہ کل نئی دہلی کی سیر کریں گے۔

نواں باب

نئی دہلی

یوں تو دہلی کی چپہ چپہ زمین دیکھنے کے قابل ہے۔ ہر جگہ پُرانے زمانے کی کچھ نہ کچھ یادگاریں ملتی ہیں لیکن جتنی اچھی چیزیں تھیں وہ سب ہم نے تمھیں دکھا دیں۔ اب صرف نئی دہلی کی سیر باقی رہ گئی ہے آج چلو وہاں بھی ہو آئیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہوگا وہ سارے ہندوستان کا بادشاہ ہوگا۔ یہ بات کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اب تک ہندوستان کے جتنے بادشاہ گذرے ہیں قریب قریب سب دہلی ہی میں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے دہلی میں بہت سی اچھی عمارتیں پائی جاتی ہیں

انگریز سات سمندر پار کے رہنے والے ہیں۔ تجارت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور پہلے پہل مدراس میں اترے۔ اس کے بعد انھوں نے تھوڑی تھوڑی زمین پر قبضہ کرنا شروع کیا اور کلکتہ کو اپنا پایہ تخت

بنایا۔ پھر رفتہ رفتہ سارے ملک کے مالک ہو گئے۔ ان کا بادشاہ تو لندن ہی میں رہتا تھا لیکن بادشاہ کا نائب یعنی وائسرائے کلکتہ میں رہتا تھا اور وہیں سے سارے ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔

جب جارج پنجم انگلستان کے بادشاہ ہوئے اور ۱۹۱۱ء میں دہلی میں اُن کی تاج پوشی کا دربار ہوا تو انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اب پھر پہلے کی طرح دہلی پایۂ تخت ہوگا اور ان کا نائب اب یہیں رہا کرے گا اس طرح وہ دہلی جو ۱۸۵۷ء کے غدر اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد سے اُجڑ چکی تھی، اب پھر گلزار بن گئی۔

فارسی کی ایک مثل ہے کہ جو کوئی آتا ہے اپنی ایک نئی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ یہ مثل دہلی پر بالکل پوری اُترتی ہے۔ یہاں جو بادشاہ ہوا اُس نے یا تو ایک نیا شہر بسایا۔ یا کوئی نئی عمارت بنوائی۔ اس طرح دہلی کے سات بڑے بڑے شہر مشہور ہیں۔ جب انگریزوں نے دہلی کو اپنی راج دھانی بنایا تو انھوں نے بھی یہاں ایک نیا شہر بسانا طے کیا۔ یہی نئی دہلی یا دہلی کا آٹھواں شہر ہے۔

نئی دہلی کی ساری عمارتیں یا تو سرکاری ہیں جن میں دفتر والے

رہتے ہیں یا پھر بڑے بڑے رئیسوں، نوابوں، راجوں، مہاراجوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ عام لوگ یہاں نہیں رہتے۔ سب مکان یورپ کے نمونے کے بنے ہیں یعنی کوٹھی یا بنگلے کی شکل کے، اور سب کی شکل و صورت اور رنگ بھی ایک سا ہے۔ سڑکیں بہت چوڑی اور کھلی ہیں اور جگہ جگہ پارک اور باغ بنے ہوئے ہیں۔ صفائی کا بہت زیادہ خیال ہے کسی جگہ بھی گندگی نظر نہیں آتی اس طرح نئی دہلی کا شہر خوب صورت تو بہت ہے لیکن رونق اور چہل پہل بالکل نہیں ہے۔ کچھ سُونا سُونا سا معلوم ہوتا ہے اور گرمیوں میں تو جب وائسرائے اور ان کے سب دفتر شملہ چلے جاتے ہیں تو اور بھی ہُو کا عالم ہو جاتا ہے۔ اکثر بازار اور دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور ہر طرف سنسان معلوم ہونے لگتا ہے۔

نئی دہلی کے بنانے میں کوئی ۱۵ کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ قریب قریب ۱۸ برس تک ۲۹ ہزار مزدوروں نے روزانہ کام کیا ہے اور عمارتوں میں ۷۰ کرور اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی اگر ان اینٹوں کو ایک کے سامنے ایک رکھ کر بچھایا جائے تو دنیا کے گولے کے چار چکر بن جائیں۔

نئی دہلی کی تین عمارتیں خاص طور پر مشہور اور دیکھنے کے

قابل ہیں۔ (۱) وائسرائے ہاؤس۔ (۲) سرکاری دفتر۔ (۳) پارلیمنٹ یہ تینوں عمارتیں بالکل قریب قریب ہیں۔ پارلیمنٹ کی عمارت کے تین حصے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا ہال اور کتب خانہ ہے۔ ایک حصے میں اسمبلی کے جلسے ہوتے ہیں۔ دوسرے میں کونسل آف اسٹیٹ کے اور تیسرے میں ریاستوں کے چیمبر کے۔

شاید تمھیں ان تینوں انجمنوں کا حال معلوم نہ ہو اس لئے آؤ پہلے یہی سمجھا دیں۔ ہندوستان کے سب سے بڑے افسر وائسرائے ہیں۔ ان کو مشورہ دینے کے لئے چھ سات افسروں کی ایک کونسل ہے جسے ایگزیکٹو کونسل کہتے ہیں۔ اس میں ہر افسر کے ماتحت چند محکمے ہوتے ہیں کسی کے ماتحت تعلیم کا محکمہ ہے، کسی کے ماتحت فوج کا محکمہ۔ کسی کے ماتحت خزانے کا محکمہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب محکمے اُن باتوں پر عمل کرتے ہیں جو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر طے کردیں یا وائسرائے حکم دیں۔

اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے کچھ ممبر تو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے چنے جاتے ہیں اور کچھ ممبر وائسرائے اپنی طرف سے بھیجتے ہیں اسمبلی میں تو زیادہ تر چنے ہوئے ممبر ہیں لیکن کونسل آف اسٹیٹ

میں زیادہ تر سرکاری آدمی ہوتے ہیں جو بس حکومت کی ہاں میں ہاں ملادیا کرتے ہیں۔ ہندوستان کے تمام قانون اور آمدنی و خرچ کا حساب پہلے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے پھر وہاں سے پاس ہو جانے کے بعد کونسل آف اسٹیٹ منظوری دیتی ہے۔ جب دونوں حلقوں سے منظوری ہوجاتی ہے تو پھر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل اسی کے مطابق عمل کرتی ہے۔

ریاستوں کا چیمبر ہندوستان کے نوابوں اور راجوں مہاراجوں کی انجمن ہے اس میں وہی لوگ جمع ہو کر ریاستوں کے معاملے پر بحث کیا کرتے ہیں۔

ان تین عمارتوں کے علاوہ پارلیمنٹ کے بیچوں بیچ میں جو بڑا سا ہال ہے اس میں اکثر دربار ہوا کرتا ہے۔

یہ ساری عمارت ۵ سال میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ بادشاہ جارج پنجم کے چچا ڈیوک آف کناٹ نے ۱۹۲۱ء میں اس کی بنیاد کا پہلا پتھر رکھا تھا اور لارڈ ارون وائسرائے نے ۱۹۲۷ء میں اس کا افتتاح[1] کیا تھا۔ یہ عمارت بالکل گول ہے اور اتنی بڑی ہے کہ اس کے چاروں طرف

[1] شروع کرنا۔ کسی عمارت کو بن جانے کے بعد عام استعمال کیلئے کھولنا۔

گھومنے سے پورے ایک میل کا چکر ہو جاتا ہے۔ بیچ میں ایک بڑا بھاری گنبد ہے اور چاروں طرف کوئی ڈیڑھ سو کھمبے ہیں اسی لئے عمارت دیکھنے میں بڑی خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

دوسری عمارت سکریٹریٹ ہے جس میں سرکاری دفتر ہیں اس کے دو حصے آمنے سامنے بنے ہیں۔ بیچ میں سڑک جاتی ہے۔ اس پر کوئی پونے دو کروڑ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ دونوں حصوں کے کناروں پر بڑے اونچے اونچے دو مینار بنے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ مینار اونچائی میں قطب مینار سے چند گز نیچے ہیں۔ اس عمارت میں کوئی ایک ہزار کمرے ہیں اور سب برآمدوں کی لمبائی ملا کر کوئی ۸ میل ہوتی ہے۔ یہاں ایک ایسی مشین لگی ہے جو گرمیوں کی لو کو ٹھنڈا کرتی رہتی ہے اور جاڑوں کی تیز ٹھنڈی ہوا کو گرم کرتی رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں کسی حکومت کے دفتروں کی عمارت اتنی اچھی نہیں ہے جتنی غریب ہندوستان کے دفتروں کی یہ عمارت ہے۔

تیسری عمارت وائسرائے کے رہنے کا محل ہے۔ یہ محل دنیا کے خوب صورت سے خوب صورت محلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ

سرخ اور سفید پتھر اور طرح طرح کے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ اس میں ڈیڑھ میل لمبے برآمدے، ڈیڑھ سو کمرے۔ سوا دو سو کھمبے۔ ۱۳۰ چشمے اور بہت سے اچھے سے اچھے باغ ہیں۔ اس پر کوئی سوا کروڑ روپیہ خرچ ہوا ہے۔

۱۹۲۹ء میں یہ بن کر تیار ہوا تھا۔ سب سے پہلے لارڈ ارون وائسرائے اس میں آکر رہے۔ اتفاق دیکھئے کہ جس دن وہ اس میں آئے اسی دن صبح کو اُن کی ٹرین کے نیچے بم پھٹا لیکن وہ بال بال بچ گئے ایسا ہی اتفاق ۱۹۱۲ء میں بھی ہوا تھا یعنی جب لارڈ ہارڈنگ وائسرائے پہلی مرتبہ دہلی کو پایۂ تخت بنانے کے لیئے یہاں داخل ہوئے تو چاندنی چوک میں ان پر بھی بم پھینکا گیا تھا۔

اچھا اب نئی دہلی کی عمارتیں تو دیکھ لیں۔ چلو یہاں ایک پرانی چیز بھی ہے اسے بھی دیکھتے چلیں۔ اسے جنتر منتر کہتے ہیں۔ سورج، چاند اور ستاروں کی باتیں اور ان کی چالیں معلوم کرنے کے لیئے یہ جنتر منتر کی عمارت بنائی گئی تھی۔ جے پور ریاست کے ایک راجہ تھے، جے سنگھ ثانی امبر والے ان کو ان باتوں کا بہت شوق تھا۔ اب سے کوئی دو سو برس پہلے

ان ہی نے دہلی میں یہ جنتر منتر بنوایا تھا۔ اس کی عمارتیں عجیب عجیب طرح
کی بنی ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

نئی دہلی کی سیر ختم ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دہلی کی عمارتوں کی
سیر بھی ختم ہوئی، امید ہے کہ تم نے اس کتاب کو ضرور پسند کیا ہوگا۔